URDU

D I (MB)

Dr Md. Monauwar. Alam
Dept of urdu
R.N. college, Pandaul
27/4/2020

Topic:- Rasikh Azeemabadi Ki Ghazal

غزل

راسخ عظیم آبادی

راسخ عظیم آبادی کا پورا نام شیخ غلام علی تھا۔ تخلص راسخ۔ یہ ۱۱۶۲ھ میں پٹنہ کے نواح میں پیدا ہوئے۔ عظیم آباد (پٹنہ) میں قیام کی وجہ سے عظیم آبادی ہوئے اور میر تقی میر کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے کلام میں تصوف کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ مبتذل مضامین سے ان کا کلام پاک ہے۔ ۱۲۳۸ھ میں انتقال ہوا۔

س نگراں کبھو نہ جانب رخ دل فریب پری رہی
مری چشم تا نگہ پسیں تری محو جلوہ گری رہی

راسخ عظیم آبادی صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں جو کہ میر کے شاگرد تھے۔ ان کے کلام میں میر کا انداز نمایاں نظر آتا ہے۔ پیش نظر شعر راسخ کی غزل کا مطلع ہے جو تصوف اور عشق حقیقی پر دلالت کرتا ہے۔ راسخ اس شعر میں کہتے ہیں کہ اے دیکھنے والے، اے نگہبان (خدا) میری نگاہ دنیا کے حسن کی طرف نہیں تھی یعنی اسے کبھی خاطر میں نہیں لایا۔ میری آنکھیں تو تیری عنایتوں کے جلوے میں محو رہیں۔ یعنی تیرے حسن و جمال کے علاوہ کچھ بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ بس تیرے جلووں میں کھویا رہا۔

س پس مرگ جسم نزار کا لہو خشک ہو گیا سب ولے
وہی خوں رہا، دل خوں شدہ وہی چشم تر کی تری رہی

پیش نظر شعر راسخ عظیم آبادی کی غزل سے ماخوذ ہے۔ اس میں شاعر عجب انداز اختیار کر گیا ہے۔ نہ کہیں قاتل کی طرف اشارہ کیا نہ محبوب کا شکوہ۔ بڑی چابکدستی سے عشق مجازی اور عشق حقیقی کے درمیان سے یہ کہتا ہوا گزر جاتا ہے کہ میرے نحیف و لاغر دبلے پتلے جسم کا سارا خون مرنے کے بعد تو سوکھ گیا یعنی ختم ہو گیا لیکن دل خوں شدہ یعنی قتل کئے ہوئے دل کا خون اور روتی ہوئی آنکھوں کی نمی باقی رہ گئی۔

س تھیں گل کی جس نے بنا یا بو کہا ان نے مجھ سے با ہو تو
رہے تم تو پردہ نشیں سدا مجھے آہ دوری رہی

یہ شعر پورے طور پر تصوف کا شعر ہے۔ شاعر نے گل سے انسان اور بو سے خدا کا استعارہ کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ پھول جس قدر حسین ہے اس سے کہیں زیادہ انسان۔ پھول میں خوشبو ہوتی ہے جو مشام کو معطر کرتی ہے۔ پھول تو نظر آتا ہے مگر خوشبو ظاہر اور صرف محسوس کی جا سکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

مگر نظر نہیں آسکتی۔ بالکل اسی طرح خدا انسانوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے مگر نظروں سے پوشیدہ ہے۔ شاعر اللہ سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ تم میرے قریب رہے مگر میں در بدر بھٹکتا رہا۔

شعر:

میرے پاس جنس ہنر تو تھی و لے بود و باش تھی میری واں

کہ قبائے بیش بہا سدا جہاں جنس بے ہنری رہی

یہ شعر راسخ کی غزل کا ہے۔ اس شعر میں راسخ اپنی ناقدری کا گلہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس علم و ہنر کی دولت تو تھی مگر میرے علم و ہنر کی کسی نے قدر نہ کی کیونکہ میرا اٹھنا بیٹھنا جاہلوں کے درمیان تھا۔ جہاں ہمیشہ جاہلوں کا اقتدار رہا اور ان کی نظر میں جہالت کو ہی ہنر سمجھا جاتا رہا۔ آج بھی دیکھا جائے تو راسخ عظیم آبادی کا یہ شعر صادق نظر آتا ہے۔

شعر:

یہ جواب ہے آخر عاشقی کبھو ہوش ہے کبھو رفتگی

نہ وہ گریۂ دلِ شب رہا نہ وہ زاری سحری رہی

اس شعر میں بھی تصوف کا رنگ نظر آتا ہے۔ راسخ کہتے ہیں کہ جب میں خدا کی محبت میں گرفتار ہو گیا تب سے میری یہ حالت ہے کہ کبھی ہوش میں رہتا ہوں کبھی بے ہوشی چھائی رہتی ہے۔ اور عشق میں عام طور سے انسان راتوں کو گریہ و زاری میں گزارتا ہے۔ درد کہتے ہیں کہ جب سے میں عشق کا مفہوم سمجھا ہے تب سے نہ راتوں کی گریہ و زاری ہے نہ آہ و فغاں۔ اب ہر حال میں دل کو اطمینان ہے۔

شعر:

نہ تھی چشم راسخ خستہ دل کبھو خالی اشک سے دوستاں

شب و روز جام پر آب کی روش آنسوؤں سے بھری رہی

یہ شعر راسخ کی غزل کا مقطع ہے۔ اس میں راسخ اس پر آشوب دور کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں گردش دوراں اس قدر رہی جس کے غم سے راسخ کی آنکھیں اور دل ہمیشہ بھرے رہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جام شراب لبالب بھرے ہوتے ہیں راسخ کا دل غم سے بھرا ہے اور آنکھیں اس غم سے آنسوؤں سے بھری ہیں۔

X